وسائل کم نہیں پڑتے

محمد ایوب منیر

آبادی میں اضافہ، غذائی اجناس کی پیداوار میں کمی، ماحول پر تیزابی بارش کا اثر، جنگلات کی کمی اور معدنی ذخائر کے خاتمے کے حوالے سے شائع ہونے والے اعداد و شمار عموماً پریشان کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہفت روزہ اکانومسٹ لندن (۲۰ دسمبر ۹۷) نے ماحولیات کے لیے ان خدشات کے حوالے سے ایک دلچسپ جائزہ لیا ہے (Environmental Scares)۔ یہ پیش کیا جا رہا ہے۔ (مدیر)

آج سے دو صدی قبل مالتھس نے آبادی کے مسئلے پر اپنے مشہور کتابچے سے ماحولیات کو موضوع بنا دیا۔ اس نے منطقی دلائل سے ثابت کیا کہ آبادی میں اضافہ ہندسی تناسب (۱، ۲، ۴، ۸، ۱۶....) سے اور اجناس کی پیداوار میں اضافہ حسابی تناسب (۱، ۲، ۳، ۴، ۵....) سے ہوتا ہے۔ اس وقت ہر شخص نے مالتھس کو درست سمجھا، لیکن وہ غلطی پر تھا۔

۱۸۶۵ میں، اسٹینلے جیونز نے اپنی کتاب میں منطقی طور پر ثابت کیا کہ چند سالوں کے اندر برطانیہ میں کوئلہ کم پڑ جائے گا۔ ۱۹۱۴ میں امریکہ کے محکمہ معدنیات نے متنبہ کیا کہ تیل کے ذخائر صرف مزید دس سال چلیں گے۔ ۱۹۳۹ اور ۱۹۵۱ میں امریکہ کی وزارت داخلہ نے اعلان کیا کہ تیل آیندہ تیرہ سال تک ختم ہو جائے گا۔ ہر بات غلط نکلی، غلط، بالکل غلط۔

ان پیشن گوئیوں پر آمنا وصدقنا کہنے کے بجائے ماضی کے ریکارڈ کی وجہ سے اب تو چھاچھ بھی پھونک کر پینا چاہیے۔ صحافی، شہرت کے شوقین اور مختلف پریشر گروپ کے افراد اپنے مفاد کی خاطر ایک کے بعد ایک خبر سناتے چلے جا رہے ہیں۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ انھیں اپنی ہر غلطی آیندہ کے لیے اپنے درست ہونے کا یقین دلاتی ہے لیکن ہمیں تو جب کبھی آنے والی تباہی سے ڈرایا جائے تو یاد کر لینا چاہیے کہ گذشتہ ڈراوے کا کیا حشر ہوا تھا؟

۱۹۷۲ میں کلب آف روم نے اپنی غیر معمولی اثرات کی حامل رپورٹ Limits to Growth (ترقی کی حدیں) شائع کی۔ ماحولیات کے علم برداروں کے نزدیک یہ رپورٹ معاشیات کی احمق دنیا میں عقل و دانش

کی آواز ہے۔ کیا اس میں درج پیشن گوئیاں سچی نکلیں؟ مذکورہ رپورٹ میں انتباہ کیا گیا تھا کہ تیل کے عالمی ذخائر ۵۵۰ ارب بیرل ہیں۔ امریکی صدر جمی کارٹر نے اعلان کر دیا کہ تمام تیل آیندہ دس سالوں میں استعمال کر لیا جائے گا لیکن ہوا یہ کہ ۱۹۷۰ اور ۱۹۹۰ کے درمیانی عرصے میں ۶۰۰ ارب بیرل تیل استعمال کیا گیا۔ گویا کلب آف روم کے تخمینوں سے ۵۰ ارب بیرل زیادہ۔ جبکہ ۱۹۹۰ میں تیل کے غیر استعمال شدہ ذخائر کی مقدار ۹۰۰ ارب بیرل تھی! (اس میں کول تار کے ذخائر شامل نہیں جو صرف البرٹا میں ۵۵۰ ارب بیرل سے زیادہ ہیں)۔

کلب آف روم نے اسی قسم کی غلط پیشن گوئیاں قدرتی گیس، تانبے، قلعی، جست، یورینیم اور ایلومینیم کے بارے میں بھی کیں۔ انھوں نے ہر ایک کے بارے میں کہا کہ اس کے ذخائر ختم ہونے والے ہیں اور ان کی قیمتوں میں تیزی سے اضافہ ہو جائے گا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ قلعی کے علاوہ ہر دھات کے معلوم ذخائر میں اضافہ ہوا ہے، بعض میں تو چار گنا۔ شاید Limits to Growth میں "ذخائر" کے معنی کچھ اور ہی لیے گئے! لیکن پیشن گوئیوں کے مسلسل غلط ثابت ہونے کے باوجود اس کلب کے اعتماد میں کمی نہیں آئی ہے۔ اس کے زیر اہتمام حال ہی میں Beyond the Limits (حدوں سے پرے) کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس میں تحریر ہے: "مستقبل کے بارے میں ہم ماضی میں بھی ناامید تھے اور اب بھی اتنے ہی ناامید ہیں"۔ دیگر ماہرین ۱۹۹۰ کے بعد سے اس قسم کے اعلانات کے بارے میں محتاط ہو گئے ہیں۔

برطانوی اسکولوں کی ایک درسی کتاب کے ۱۹۸۳ کے ایڈیشن میں درج تھا کہ جست کے ذخائر ۱۰ سال میں اور قدرتی گیس کے ذخائر آیندہ ۳۰ برسوں میں ختم ہو جائیں گے۔ ۱۹۹۳ کی اشاعت میں جست کا ذکر حذف کر دیا گیا اور قدرتی گیس کی مدت پچاس سال کر دی گئی۔ یوں کتاب کے مرتب نے اپنا خود ہی مضحکہ اڑا دیا۔ شکر ہے صرف مقدار کا ذکر تھا اگر قیمتوں کا ذکر بھی ہوتا تو مزید خفت اٹھانا پڑتی۔

اب پھلوں اور غذائی اجناس کا معاملہ لیجیے۔ پال ایلڈرچ کی ۱۹۷۰ کی مقبول عام کتاب سے یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ماہرین زراعت کے مطابق اگلے ۳۰ سال میں غذائی اجناس کی پیداوار کا تین گنا ہونا بہت ضروری ہے تا کہ ۲۰۰۰ کے آغاز پر دنیا کے ۶، ۷ ارب انسانوں کو مناسب خوراک مل سکے لیکن یہ واضح ہوتا جا رہا ہے کہ یہ عملاً بالکل ناممکن ہو گا۔
>
> بنی نوع انسان کو غذا فراہم کرنے کی جنگ ہاری جا چکی ہے۔ ۷۰ کے عشرے میں دنیا میں کئی قحط آئیں گے، لاکھوں لوگ فاقوں سے مر جائیں گے۔

اس قسم کی رائے ظاہر کرنے میں ایلڈرچ تنہا نہیں ہے۔ ورلڈ واچ انسٹی ٹیوٹ کے لیسٹر براؤن نے ۱۹۷۳ میں پیشن گوئی کی تھی کہ جلد ہی آبادی پیداوار سے بڑھ جائے گی۔ جب کبھی گندم کی قیمت میں

عارضی طور پر اضافہ ہو، وہ ایسی پیشن گوئی ضرور کرتا ہے۔ ۱۹۹۴ میں جب لیسٹر براؤن کو غلط ثابت ہوتے اکیس سال ہو گئے تو اس نے کہا: "چالیس سال تک ریکارڈ غذائی پیداوار کے بعد اچانک غیر متوقع طور پر فی کس پیداوار بہت کم ہو گئی ہے"۔ اس کے بعد دو بہت اچھی فصلیں ہوئیں اور گندم کی قیمتوں میں ریکارڈ کمی ہو گئی، لیکن قنوطیت زدہ ماہرین حقائق سے کوئی اثر قبول نہیں کرتے جبکہ ان کے خیالات، اخبارات میں خوب مقبول ہیں۔

غذائی اجناس کے عالمی پیداوار کے حقائق ان افراد کے لیے چشم کشا ہوں گے جنھوں نے بھوک سے بنی نوع انسان کی ہلاکت کی پیشن گوئی سنی ہو۔ ۱۹۶۱ کی نسبت آج آبادی دگنی ہے لیکن اناج کی پیداوار دگنی سے بھی زائد ہے۔ فی کس اضافہ بیس فی صد ہے۔ یہ اضافہ صرف امیر ممالک تک محدود نہیں ہے۔ دیگر ممالک کی بھی یہی صورت حال ہے۔ عالمی ادارہ خوراک و زراعت (FAO) کے مطابق تیسری دنیا میں فی کس حراروں کا استعمال ۱۹۶۳ کی نسبت ۲۷ فی صد زیادہ ہے۔ آج قحط، فاقہ اور ناکافی غذا سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ تاریخ میں کبھی نہیں رہی۔

کچھ معروف اہل دانش نے ۱۹۸۰ میں صدر امریکہ کے لیے گلوبل ۲۰۰۰ کے نام سے رپورٹ لکھی۔ یہ اتنی متاثر کرنے والی تھی کہ سی این این کا ایک پروڈیوسر معروضی نقطہ نظر اختیار کرنے کے بجائے ماحولیات کے حوالے سے ڈرانے والوں کا پرجوش وکیل بن گیا۔ مذکورہ رپورٹ میں یہ پیشن گوئی کی گئی تھی کہ آیندہ برسوں میں پیداوار کے مقابلے میں اضافہ آبادی کی رفتار زیادہ ہو گی۔ ۲۰۰۰ تک غذا کی قیمتوں میں ۳۵ فی صد سے ۱۱۵ فی صد تک اضافہ ہو جائے گا۔ اب بیسویں صدی ختم ہوا چاہتی ہے اور صورت حال یہ ہے کہ قیمتوں میں ۵۰ فی صد تک کمی واقع ہو چکی ہے۔ رپورٹ کے سچا ہونے کے لیے آیندہ دو سال میں ۵ گنا اضافہ ہونا چاہیے (کیا آپ شرط لگانے کو تیار ہیں؟)۔

شاید آپ سمجھیں کہ یہ تحریک یک طرفہ ہے۔ اگر پیشن گوئیاں بالکل غلط بھی ثابت ہوتی رہی ہیں لیکن نیت درست تھی، تو غلطی کا اعتراف بخوشی کیا جانا چاہیے تھا، جو کہ نہیں کیا گیا۔ جس وقت یہ تخمینے پیش کیے گئے اس وقت بھی صحیح بات کرنا، ناممکن نہ تھا۔ ایسے لوگ بھی موجود تھے، جنھوں نے ۱۹۷۰ میں اجناس کی پیداوار میں غیر معمولی اضافے کی پیشن گوئی کی، جنھوں نے ۱۹۷۵ میں تیل سستا ہونے کی پیش گوئی کی، جنھوں نے ۱۹۸۰ میں معدنیات کے وسیع تر ذخائر کی پیشن گوئی کی۔ ماحولیات کے علم برداروں نے ایسی پیشن گوئی کرنے والوں کو نظرانداز کیا اور برا بھلا کہا۔ بے شک سچ کڑوا ہوتا ہے۔

اسی دوران ماحولیات کے حوالے سے توجہ وسائل سے آلودگی کے مسئلے کی طرف منتقل ہو گئی۔ کہا جانے لگا کہ کینسر پیدا کرنے والے جراثیم، پانی، خوراک اور ہر جگہ ہوتے ہیں۔ گذشتہ سال البرٹ گولڈ اسمتھ

نے اپنے بھائی (عمران خاں کے خسر) کی موت کا ذمہ دار کیمیائی مادوں کو قرار دیا۔ کہا گیا کہ کینسر کیمیکل سے ہوتا ہے اور کینسر کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ۳۵ سے ۳۹ سال تک کی عمر کے لوگوں میں، جہاں وجہ سگریٹ نوشی نہیں، شرح اموات میں ۱۹۵۰ کے بعد سے ۱۵ فی صد کمی واقع ہوئی ہے۔

۸۰ کے عشرے کے اوائل میں تیزابی بارش (Acid Rain) ماحول کی تباہی کا سب سے زیادہ مقبول عام سبب قرار پایا۔ رپورٹیں شائع ہوئیں کہ جرمنی کے درختوں کی نصف تعداد کی زندگی خطرے میں ہے۔ اقوام متحدہ نے رپورٹ شائع کی کہ ۱۹۸۶ تک یورپ کے اندر پائے جانے والے درختوں کا ۲۳ فی صد جزوی یا کلی طور پر ان فضائی تیزابی مادوں کے زیر اثر ہو گا۔ لیکن ہوا کیا؟ سب ٹھیک ٹھاک رہے۔ یورپی جنگلات میں حیاتیاتی مادے کی مقدار (biomass) میں ۸۰ کے عشرے میں اضافہ ہوا، کوئی کمی نہ ہوئی۔ نہ جنگلات کم ہوئے، بلکہ سرسبز و شاداب ہو گئے۔ تصور اور حقیقت کا اسی طرح کا ایک فرق امریکہ میں دیکھنے میں آیا۔ اطلاعات آئیں کہ شمالی امریکہ کے جنگلات زہر آلود ہو کر مر رہے ہیں۔ ۷۰ کروڑ ڈالر کی کثیر رقم سے کرائے گئے ایک سرکاری سروے کے مطابق کہ امریکہ یا کینیڈا کے جنگلات میں کسی عمومی یا غیر معمولی کمی کی کوئی شہادت نہیں ہے۔

ماحولیات کے لیے جو ڈراوے آج بیان ہو رہے ہیں، ان سب کی ماں، گرمی کی عالمی لہر (Global Warming) ہے۔ اس پر کوئی جیوری نہیں بیٹھی ہے۔ لیکن صدر کلنٹن اپنا فیصلہ دے چکے ہیں۔ صدر سے اتفاق کرنے سے پہلے، دو اقتباسات کا مطالعہ کریں: ۱۹۷۵ کے نیوز ویک کے ایک شمارے میں ایک رپورٹ آئی کہ: "خنکی کی لہر کے سبب اور اس کی وسعت کے بارے میں ماہرین موسمیات کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اس امر پر سب متفق ہیں کہ یہ رجحان بقیہ صدی میں زرعی پیداوار میں کمی کا باعث ہو گا"۔ دوسرا، امریکہ کے نائب صدر ایل گور کا ایک بیان ہے جو قومی اخبارات میں شائع ہوا: "سائنس دان متفق ہیں کہ گرمی کی عالمی لہر ایک حقیقت ہے اور اس کے بارے میں اقدام کرنے کا اصل وقت یہی ہے"۔

قنوطیت پسندوں کے لیے اس صدی کے اختتام پر، پریشانی کے اور کئی اسباب ہیں۔ ہاتھیوں کی نسل کا خاتمہ، پاگل گائے کا مرض، ایبولا وائرس کی وبا اور جنسی ہارمون کی طرح کام کرنے والے کیمیکل، سب ہی سے ڈرانا فیشن میں شامل ہے۔ اوپر جو ڈراوے بیان کیے گئے ان کی قسم اس سے علیحدہ ہے۔ بلاشبہ دونوں میں رجحان صحت مند نہیں، لیکن مبالغہ آمیز ضرور ہے۔

۱۹۸۴ میں اقوام متحدہ کے ذرائع نے دعویٰ کیا کہ ہر سال دو کروڑ دس لاکھ ہیکٹر زمین صحرا میں شامل ہوتی جا رہی ہے۔ یہ بات اب بالکل غلط ثابت ہو چکی ہے۔ نہ صحرا میں اضافہ ہوا ہے، نہ ہو رہا ہے۔ ۱۹۹۲

میں ایل گور نے اعلان کیا کہ ایمے زان کے ۲۰ فی صد جنگلات ختم ہو چکے ہیں اور ہر سال ۸ کروڑ ہیکٹر کے جنگلات ختم ہو رہے ہیں۔ حقیقی اعداد و شمار کے مطابق یہ رقبہ صرف ۹ فی صد ہے اور شرح صرف ایک کروڑ ہیکٹر سالانہ۔

گذشتہ تیس برسوں میں صرف ایک پیشن گوئی کچھ درست ثابت ہوئی ہے، یعنی جانوروں، پودوں اور پرندوں پر ڈی ڈی ٹی کے چھڑکاؤ کے اثرات۔ اس کے علاوہ ہر ڈراوا غلط ثابت ہوا ہے یا مبالغہ آمیز ثابت ہوا ہے۔ کیا آپ اگلے ڈراوے پر یقین کرلیں گے؟

ماحولیات کے بارے میں ڈراوے ایسے مراحل سے گزرتے ہیں جیسے سب کچھ پہلے سے طے ہو۔ ہم اسے یوں بیان کرسکتے ہیں کہ پہلا سال، سائنس دان کا ہوتا ہے جو کسی امکانی خطرے کی نشان دہی کرتا ہے۔ دوسرا سال، صحافی کا ہوتا ہے جو اسے سادہ سچائی بنا کر مبالغے کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ تیسرے سال، ماہرین ماحولیات اس بارات میں شامل ہوتے ہیں (کوئی بھی مہم ماہرین ماحولیات نے ازخود شروع نہیں کی) وہ مسئلے کو انتہا تک لے جاتے ہیں۔ یا آپ یہ مانیں کہ دنیا ختم ہونے والی ہے اور نیک جذبات سے بھر جائیں اور یا آپ کو بڑے کاروبار والوں کا تنخواہ دار ایجنٹ قرار دیا جائے۔ چوتھا سال، افسر شاہی کا ہوتا ہے۔ ایک کانفرنس منعقد کی جاتی ہے۔ سرکاری افسران کو ہوائی جہاز کے کلب کلاس کے ٹکٹ ملتے ہیں اور شہرت الگ حصے میں آتی ہے۔ سائنس کے بجائے اب مسئلہ حل کرنے کا ہو جاتا ہے۔ اس میں ایک علامتی ہدف کا تعین، کلیدی امر ہوتا ہے، مثلاً سلفر کے اخراج میں ۳۰ فی صد کی کمی، گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج کا ۱۹۹۰ کی سطح پر استحکام، ایک لاکھ ۴۰ ہزار برطانوی گایوں کا قتل۔ پانچویں سال، ایک ولن تلاش کرلیا جاتا ہے اور اس پر یلغار کر دی جاتی ہے، مثلاً گرمی کی عالمی لہر کے امریکہ، تیزابی بارش کے لیے برطانیہ، اوزون کے لیے روس اور جنگلات کے خاتمے کے لیے برازیل۔ چھٹے سال میں کوئی شک کرنے والا اٹھ کر کہتا ہے کہ ماحولیات کی تباہی کے حوالے سے جو ڈراوا دیا جا رہا ہے، وہ مبالغہ آمیز ہے۔ یہ ماحولیات کے علم برداروں کو شدید غصے میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اخبارات کو خط لکھے جاتے ہیں کہ ایک حقیر اقلیت کے خیالات کو جگہ دینے کی جرات کیسے کی؟ لیکن اس وقت تک وہ سائنس دان جس نے اس پورے عمل کا آغاز کیا تھا خود شک کرنے والوں کی صف میں شامل ہو چکا ہوتا ہے۔ ساتواں سال، خاموشی سے معاملہ ختم کرنے کا ہوتا ہے۔ سرکاری طور پر مسئلے کا حجم سکیڑ لیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آبادی کا دھماکہ، جب کسی کی توجہ اس طرف نہیں تھی تو ۱۵ ارب تک بیان کیا گیا۔ پھر اسے ۱۲ ارب کر دیا گیا، پھر دس ارب سے کم کیا جانے لگا۔ مطلب یہ ہوا کہ آبادی اب کبھی دگنی نہیں ہوگی۔ اسی طرح زمین پر گرمی کی لہر کو پہلے ناقابل کنٹرول بتایا گیا۔ پھر کہا گیا کہ یہ لہر ایک صدی میں ۲ء۵ سے ۴ درجے تک بڑھ رہی ہے۔ پھر کہا گیا کہ یہ اضافہ ۱ء۵ سے ۳ درجے تک ہے۔ اس طرح دو سال کے اندر اندر، ہاتھیوں کی نسل ختم ہونے کے شدید خطرے سے گزر کر یہ نوبت آئی کہ منع حمل کی تدابیر کی

ضرورت پیش آ گئی! (حقائق تبدیل نہیں ہوئے، رپورٹنگ ہوئی ہے)۔

کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ماحولیات کے امکانی خطرات کم کر کے پیش کرنے کے بجائے بڑھا چڑھا کر دکھایا جائے۔ ایسا ضروری نہیں ہے۔ یونی ورسٹی آف سسکس (Sussex) کے ملیسا اینچ اور رابن میرنس نے اپنی کتاب' The Lie of the Land (دنیا کا جھوٹ) میں مستند طور پر بتایا ہے کہ افریقہ میں ساحل کے علاقوں میں آبادی کے دباؤ اور جنگلات کے ختم ہونے کے ڈراووں نے کتنا نقصان پہنچایا۔ اہل مغرب نے ماحول میں تبدیلی کے بارے میں مفروضہ تصورات درست ثابت کرنے کی خاطر سراسیمہ مقامی آبادیوں پر نامناسب اقدامات بہ جبر نافذ کر دیے۔ گیس اور تیل کے ذخائر ختم ہونے اور گرین ہاؤس اثرات کے بارے میں مفروضوں کی وجہ سے ایسی تدابیر اختیار کی گئیں کہ ویلز اور ڈنمارک میں بڑے بڑے علاقے اجاڑ دیے گئے۔

اسکولوں کی درسی کتب میں ماحولیات کی تعلیم کے حوالے سے یاسیت کا پرچار کیا گیا ہے۔ ان سے قحط، بیماری اور آلودگی کے خلاف عزم و حوصلے سے جنگ جیتنے کی کوئی امید پیدا ہونے کے بجائے شکست خوردگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ آبادی کے دھماکے میں مسلسل مبالغہ آمیزی سے "مردم بیزاری" پیدا ہوتی ہے جو خطرناک حد تک فاشزم کے قریب پہنچا دیتی ہے۔ ڈاکٹر ایلڈرچ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ جبریہ خاندانی منصوبہ بندی کا حامی رہا ہے۔ اس کا ایک ساتھی کہتا ہے کہ: "نسل بڑھانے کی آزادی ناقابل برداشت ہے"۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آبادی کنٹرول سے باہر ہوتی جا رہی ہے تو آپ کے نزدیک آزادی پر اس طرح کی غیر معمولی پابندیوں کا جواز ہو سکتا ہے لیکن اگر آپ جانتے ہوں کہ گراف اوپر نہیں جا رہا ہے تو آپ اپنے بھائیوں کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اپنا سکتے ہیں۔

آپ قنوطیت پسند ہوئے بغیر بھی ماحولیات کے حق میں ہو سکتے ہیں۔ ماحولیات کی تحریک میں ایسے لوگوں کی جگہ ہونا چاہیے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ٹیکنالوجی اور معاشی آزادی نہ صرف دنیا کو زیادہ صاف ستھرا بنا دیں گے بلکہ حیوانات کی جو نسلیں خطرے میں ہیں، ان سے بھی دباؤ ہٹ جائے گا مگر اس وقت ایسے رجائیت پسند، ماہرین ماحولیات کے لیے ناپسندیدہ ہیں۔ ڈاکٹر ایلڈرچ معاشی اضافے کو کینسر خلیے میں اضافے کے مماثل قرار دیتا ہے۔ اس موقف میں وہ تنہا نہیں ہے۔ ماہرین ماحولیات، صنعت و تجارت میں اپنے مخالفین پر الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ اپنے مفادات کے لیے کام کر رہے ہیں لیکن الزام لگانے والوں کی اپنی آمدنیاں، ترقیاں، شہرت حتیٰ کہ ان کا وجود تک ماحولیاتی خطرات کے بارے میں سراسیمہ کر دینے والے اعلانات پر منحصر ہے۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے: عملی سیاست کا مقصد عوام کو ہر وقت خطرے کی حالت میں رکھنا ہے۔ انھیں ڈراووں کے نہ ختم ہونے والے سلسلے کی زد میں رکھ کر، سب کے سب خیالی--- تاکہ وہ تحفظ کے طالب ہوں اور پیچھے پیچھے آئیں۔

کم سے کم یہ پیشن گوئی درست معلوم ہوتی ہے۔